سواری ہے۔ لکڑیوں کے چار خمدار ٹکڑوں سے ایک ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے جو ساڑھے چار فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کے فرش پر کپڑا بچھا ہوتا ہے یا بید کی تیلیوں سے بُنی ہوتی ہے۔ تین فٹ لمبے بانس اس ڈھانچے کے باہری اگلے اور پچھلے حصّوں میں لگے ہوتے ہیں اور لوہے کے تاروں سے ڈھانچے سے کس دیئے جاتے ہیں۔ ان بانسوں کے سروں پر ڈوری بندھی ہوتی ہے درمیانی بانس کی لمبائی تین فٹ ہوتی ہے چار آدمی اس کو کاندھے پر اٹھا کر لے جاتے ہیں[1]

بالعموم عورتیں ڈولیوں پر سفر کرتی تھیں۔ انشاء اللہ خاں انشاء کا ذیل کا شعر ملاحظہ ہو:-

کچھ نہیں معلوم پوچھو کون سا میلا ہے آج
جا رہیاں ہیں جو کبھی کچھ ڈولیوں پر ڈولیاں[2]

انشاء کے ذیلی بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے اختتام کے زمانے میں ڈولیوں کی سواری کی سماجی حیثیت گرنے لگی تھی اور رقاصاؤں کے لئے مخصوص ہو گئی تھی۔ انشاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رقاصاؤں کے علاوہ دوسرے مرد اور عورت بھی اس کا برائے سواری استعمال کرتے تھے مگر بدرجۂ مجبوری۔ وہ آگے لکھتا ہے کہ میانہ[3] اور پینس[4] کے رواج پا جانے کے بعد بھی رقاصائیں مجلسِ کدخدائی میں شرکت کے

---

[1] FORSTER = TRAVELS IN INDIA II, PP. 2-3
TWINING : PP. 342-473

[2] کلیات انشاء ص ۳۰۱

[3] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ ہیبر - ۱/ص ۱۷۱، گزشتہ لکھنؤ ص ۳۹۹

[4] گزشتہ لکھنؤ ص ۳۹۹

لیے ڈولیوں پر ہی جاتی تھیں[۱]

پالکی، نالکی، ڈولی، چنڈول بردار کہاروں کا لباس بھی زرق برق ہوتا تھا اور خاص کر شادی بیاہ کے موقعوں پر ان کے لباس کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا ایک شہزادے کی برات کی پالکیوں اور نالکیوں کے کہاروں کے لباس کا میر حسن دہلوی نے اپنے مخصوص انداز میں ذکر کیا ہے۔

کہاروں کے زربفت کی کرتیاں
اور ان کے دبے پاؤں کی پھرتیاں[۲]

~~(باقی آئندہ)~~

---

۱ دریائے لطافت (ا۔ت) ۱۱ (فارسی) ص ۶-۷
شواہد کے لئے دیکھئے

FORSTER = TRAVELS IN INDIA. 11, PP 2-3

ORIGINAL LETTERS FROM INDIA, P. 140

TWINING - TRAVELS IN INDIA. P. 342

HEBER - 1, P. 351

VALENTIA - 1, P. 155 GROSE, 1, 155

کلیات نظیر اکبرآبادی۔ ص ۳۷۵ سیر المتاخرین (ا۔ت) ۲ (ص ۲۴۱)

۲ مجموعۂ مثنویات میر حسن ص ۳۶-۳۷ نیز ملاحظہ ہو۔ اہلیہ میر حسن علی۔

OBSERVATIONS. P. 251

✣

# آثارِ نبیؐ یا افکارِ نبیؐ

از جناب قطب الدین صاحب حیدر آباد

ہے جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا
(اقبالؔ)

موجودات میں ہر وجود صفاتِ ثلاثہ سے سنوارا گیا ہے ـــــ زمان، مکان روان ـــــ حسبِ ترتیب پہلی دو صورتیں آنی و فانی اور آخری صورت، روح و روان باقی و جاری رہنے والی ہے ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ عالمِ ارواح ہر چیز کا مصدر ہے، اور عالمِ اجساد مظہر۔ مظہر میں جبتک روح کارفرما ہے، وہ مؤثر ہے، اور جب روح تہی دامن ہو جائے، تو ایک سازِ شکستہ بے نغمہ و آواز ہے۔ اسلام مظاہر و آثار کو پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا، اس کے اولیں مقاصد میں ان شکدوں کو مسمار کرنا ہے۔ کوہِ طور حضرت موسیٰؑ کا تجلی گاہ رہا، کیا وہ اس مہبطِ تجلی کی علی الدوام پرستش کرتے رہے؟ نہیں اسے سنگِ میل کی طرح پیچھے چھوڑتے ہوئے منبعِ تجلی اور مشرقِ انوار کی لوٹ میں تیزگامی کے ساتھ آگے نکل گئے اور قلب و جگر کی زمزمہ پردازیاں فضا میں مرتعش ہو کر یوں سامعہ نواز ہوئیں۔

اگر زاں برقِ بے پروا درونِ او تہی گردد
بہ چشمِ کوہِ سینا می نیرزد با پرِ کاہے
(اقبالؔ)

مذاہب عالم کے معتقدات کی اگر تحقیق و تدقیق کی جائے تو اصنام پرستی کی ابتدا متجاوز عن الحد تعظیم و تکریم ہی سے ہوئی ہے۔ جب ادب میں غلو ہونے لگتا ہے تو وہی بے ادبی کا آغاز بن جاتا ہے۔ ادب کے معنی صرف ماتھا ٹیکنا یا چوکھٹ کو چومنا نہیں بلکہ اس کا اصل مقصد حدود کے اندر رہتے ہوئے تعظیم و تکریم کے ساتھ احکام کی بجا آوری ہے۔ دنیا میں جتنے بتکدے آباد ہیں وہ سب اسی توغل کے برگ و بار ہیں۔ اس ظلمت کدۂ ہوس آباد میں کوئی مذہب ایسا نہیں جو تصورات کے آفریدہ خداؤں اور سومناتوں سے خالی ہو ؎

شد سنگ آستانہ دیں ہر بتے کہ بود
ہر کس بہ وضع خویش گزارد دوگانہ را

(غنی)

افسوس مسلمان قوم بھی اس کا شکار ہو گئی اور ان کے ہاں ایسے صنم کدوں کی بہتات ہے جن کا الی الآن تاراج کرنے والا کوئی غزنوی نہیں پیدا ہوا ؎

کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات

(اقبال)

اسلام نے اپنی تعلیمات سے آثار پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا ہے، صرف تین مقامات کے لئے شدِ رحال کی اجازت دی گئی ہے۔ وہاں بھی وجہ تکلیف و ترغیب خالقِ کائنات کی پرستاری ہے اور پچاس ہزار سے ایک لاکھ نمازوں کے ثواب سے نوازا جا رہا ہے۔

اللہ نور السموات والارض ........ واللہ بکل شئی علیم

ہم کو مشکوٰۃ ازجاج الکوکب، شرقی و غربی سے گزر کر مشرق انوار کی جبہت رہ سیا ہونے

پڑا گسایا جارہا ہے ؎

ما از پئے نورے کہ بود مشرقِ انوار　　از مغربی و کوکب و مشکوٰۃ گذشتیم

قدح چوں دورِ ما باشد بہ ہشیارانِ مجلس دہ　　مرا بگذار تا حیراں بماند چشم بر ساقی

(سعدی)

دل بہ کسے نباختہ، با دو جہاں نساختہ　　من بہ حضورِ تو رسم روزِ شمار ایں چنیں

(اقبال)

ہر موقع و محل پر الست بربکم قالوا بلیٰ کا میثاق دامن گیر ہے۔

چنگ در حضرتِ خدائے زدہ　　ہرچہ او نیست پشت پائے زدہ

خوردہ یک بادہ بر رخِ ساقی　　ہرچہ باقی ست کردہ در باقی

ہم خراباتیاں و بادہ گساران خمکدۂ اسلام صہبائے الست سے چور، اپنی سرمستیوں میں احکامِ شریعت ہی کو زین و عنان کی صورت پشت و دہان کی زینت بنائے ہوئے ہیں۔ خدا کے ساتھ دیوانے۔ لیکن محمدؐ سے ہوشیار محمدؐ محمدؐ کہہ کر دست افشانی کرتے چرخ لگاتے۔ اور اپنی والہانہ سرشاریوں میں جھوم جھوم کر حلقہ فشاں و پائے کوب مئے وحدت کے خم پر خم لنڈھاتے ہیں، اور لب و لسان پر مترنمانہ یہ شعر رقصاں رہتا ہے ؎

خراباتیاں مے پرستی کنید　　محمدؐ بگوئید و مستی کنید

یعنی خوب جی بھر کر حال کھیلو، حلقہ فشانی، دست افشانی، پائے کوبی، چرخ زنی اور سوز و تپش میں سینہ آسا زار نالی کرو، مگر اسمِ پاک کو وردِ زباں بنائے ہوئے۔ چہرۂ انور پر ٹکٹکی باندھے ہوئے، اشارۂ چشم و ابرو پر جان نچھاور کرتے ہوئے، اور احکامِ شریعت کی لگام درکاب تھامے ہوئے ؎

درکفِ جامِ شریعت، درکفے سندانِ عشق　　ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

(سعدی)

باجنیں زورِ جنوں پاسِ گریباں داشتم — درجنوں از خود نرفتن کار ہر دیوانہ نیست

(اقبال)

آثارِ نبیؐ یقیناً قابلِ عظمت وتکریم ہیں، لیکن اپنے محل و مقام پر، انھیں سینما کے پردوں پر لانا بازاری وکاروباری انداز پر نمائش کرنا، انھیں دولت بٹورنے کا ذریعہ بنانا عند اللہ مبغوض، حد درجہ معیوب اور سوءِ ادب میں داخل ہے۔ حضورِ انورؐ کے آثار فلمانا نہ از روئے مقصد پسندیدہ نہ بلحاظ وسائل پاکیزہ ہے۔ اگر اس میں سے محرک اصلی جلبِ منفعت اور دولت بٹورنے کے عنصر کو نکال لیا جائے، تو دیکھئے پھر کتنے ہمدردانِ دین وملت اس کی خاطر اپنی توانائیاں اور کمائیاں صرف کرنے پر کمربستہ و مستعد نظر آتے ہیں۔

آثارِ نبیؐ کی عظمت واحترام اسی میں ہے کہ وہ عام نگاہوں سے دور اور ان کی دستبرد سے مصؤن ومحفوظ رہیں۔ چنانچہ حج وزیارت کو زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض گرداننے میں یہ بھی ایک اہم مصلحت ہے۔ بار بار ان مقاماتِ مقدسہ کو اپنی مطلب برآریوں اور کام جوئیوں کی جولانگاہ بنانے اور اس کے لئے کجاوے کسنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی حضورؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں صرف ایک مرتبہ حج ادا فرمایا۔ اگر کسی کو خوش نصیبی سے تمام فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد ان مشاہد کے مشاہدے کا موقع مل جائے تو جبہ سائی کرنا، خاکِ آستاں کو سرمہ بنانا۔ بوسہ وتقبیل اور ازیں قبیل دیگر خوش عقیدگی کے اظہارات برائے شعر گفتن خوب است، لیکن از روئے شریعت یک لخت بے ادبی میں داخل ہے

کسیکہ خاکِ درت راکند چو سرمہ بہ چشم
بہ بیں چہ بے ادبی ہا بہ آستانہ کند

(عرفی)

یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی حجرِ اسود اور مسجدِ نبوی کی آرائش وزیبائش سے اپنے جیب د

دامن کو زینت دے لے، کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیب گلو کر لے۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب وہ روز مرہ کسی چیز کو دیکھتا ہے اور ایک کھیل تماشہ بنا لیتا ہے تو اس کی قدر و منزلت دل سے نکل جاتی ہے عظمت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ نظروں سے اوجھل رہے، اور دیکھنے کی تڑپ باقی رہے۔ خدا کو نہ دیکھ سکنے اور سلاطین کے پس پردہ رہنے در و درباں اور سراپردوں کے قیود و قدغن سے خود کو گھیرے رکھنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے۔ جب لوگ حج کے لئے یہاں آتے تو حضرت عمر انھیں مکہ میں زیادہ عرصہ تک قیام کی اجازت نہیں دیتے اور اس کی یہ حکمت فرماتے کہ قدر کعبہ دل سے زائل نہ ہو جائے۔ "کمیاں قدر کعبہ کے دانند"

انسان وہاں ہوتا ہے جہاں اس کا مقصود و مطلوب ہو، جبتک مقصد غائب رہتا ہے۔ طلب حاضر رہتی ہے اور جہاں مطلوب حاضر ہو تو طلب غائب، وہ کہیں اور کھسک جاتی ہے۔ ساز زندگی سوز فراق ہی سے محشر بداماں ہے ؎

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق — وصل میں مرگ آرزو ہجر میں لذت طلب
(اقبال)

شب امید بہ از روز عید مے گذرد — کہ آشنا بہ تمنائے آشنا خفت است
(نظیری)

دل جس کی طلب میں بے سکون ہے — جب ہاتھ لگے تو اک فسوں ہے
(مومن)

دنیا کے ہر شائستہ ادب میں انسانی فطرت کے اس خاصہ کی غمازی کی گئی ہے۔ شکسپیر جس کی مصنفات کو الہامی درجہ دیا گیا ہے۔ وہ اس خاصۂ فطرت کو یوں بے نقاب کرتا ہے۔

ALL THINGS THAT ARE,
ARE WITH MORE SPIRIT CHASED THAN ENJOYED.